بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علی علیہ السلام

نے

اپنا حق حاصل کرنے کے لئے

تلوار کیوں نہ اٹھائی؟

تنظیم و پیشکش :

سید ہادی حسن عابدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام علیکم

''حضرت علی علیہ السلام نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے تلوار کیوں نہ اٹھائی'' کے عنوان کے تحت تحریر پیش خدمت ہے۔

ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم مسلمانوں کی تاریخ سے ان واقعات کو پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ کر ہمارے نوجوان اسلام اور اسلام کی نامور شخصیتوں سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ یہ اعتراض وہی کر سکتے ہیں جو مسلمانوں کی تاریخ کو اسلامی تاریخ کا نام دیتے ہوئے اسے ایک خاص زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ قرآن و محمد ﷺ و اہل بیت علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تاریخی واقعات کو حق و باطل کے معیار پر تجزیہ کرنے والا مسلمان اس طرح کی گفتگو وتحریر کی اہمیت کو جانتا ہے اور اسے دوسروں تک خصوصا مسلمان نوجوانوں تک پہچانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

میرا معروضہ ہے کہ جو حضرات اس تحریر کا کسی بھی مغربی زبان میں صحیح وسلیس ترجمہ کرنا چاہتے ہوں تو حقیر سے ربط پیدا کریں تا کہ ہماری ویب سائٹ پر اسے پیش کیا جا سکے۔

www.RABBIZIDNIELMA.ORG

احقر

سید ہادی حسن عابدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علی علیہ السلام نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟

غدیرخم کے مقام پر ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کے دن اللہ کے حکم سے حضرت علی ع کی جانشینی کا اعلان کرنے اور مسلمانوں سے بیعت لینے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو وادی عقبہ ہرشی کے مقام پر منافقوں نے رات کی تاریکی میں رسول اللہ ﷺ کے ناقہ کو وادی میں گرانے کی کوشش کی۔اس سازش میں ۱۴ منافق شامل تھے جن میں سے ۹ منافق قریش سے اور باقی پانچ انصار سے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ناقہ کی مہار تھامے ہوئے صحابی حذیفہ یمانی کو ان سب کے نام بتلادئے تھے۔مدینہ پہنچنے پر اس گروہ میں بیس منافق اور شامل ہوگئے۔ یہ ۳۴ منافقوں نے مل کر ایک صحیفہ (عہدنامہ) تحریر کیا۔اہم بات جو اس صحیفہ میں لکھی وہ امیر المومنیں ع سے کی گئی بیعت کا توڑنا تھا۔سب منافقوں نے عہد کیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ محمد ﷺ نے جو کچھ ولایت علی ع کے تعلق سے کہا ہے ہم اسے نہ مانیں گے اور اطاعت نہیں کریں گے۔

مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین ام سلمہ کے مکان میں قیام فرمایا, ایک مہینہ تک وہیں مقیم رہے, کسی دوسری بی بی کے گھر تشریف نہیں لے گئے جیسا کہ حضرت ﷺ کا طریقہ تھا۔اس بات کی ام المومنین عائشہ بنت ابوبکر اور ام المومنین حفصہ بنت عمر نے اپنے باپ سے شکایت کی۔ان دونوں نے جواب دیا ہم جانتے ہیں کہ آنحضرت ص ایسا کیوں کر رہے ہیں اور اسکا سبب کیا ہے۔ان دونوں نے

اپنی بیٹیوں کومشورہ دیا کہ وہ حضرت ﷺ کی خدمت میں جائیں نرمی کے ساتھ گفتگو کریں اورمحبت کااظہار کریں۔وہ صاحب شرم وحیا ہیں ممکن ہے ان حیلوں کے سبب جو کچھ ان کے دل میں ہے ظاہر کردیں۔اس مشورہ کے بعد تنہا ام المومنین عائشہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں رسول اللہ ﷺ ام المومنین ام سلمہ کے گھر پر تشریف فرما تھے اور امیر المومنین حضرت علی ع بھی موجود تھے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حمیرا کس غرض سے آئی ہو؟ ام المومنین نے کہا یارسول اللہ ﷺ آپ کا میرے غریب خانہ پر تشریف نہ لانا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ میں آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنے اس قول میں سچی ہوتیں تو اس راز کو جو میں نے تم سے بیان کیا تھا ظاہر نہ کرتیں۔حالانکہ میں نے بہت تاکید کی تھی کہ ظاہر نہ کرنا۔تم یقینا ہلاک ہوئیں اور ایک گروہ کو بھی ہلاک کردیا۔اس کے بعد حضرت ﷺ نے ام سلمی کی کنیز کو بلایا اور فرمایا کہ میری سب ازواج کو بلالاؤ۔جب وہ سب جمع ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں تم سب سے کہتا ہوں غور سے سنو۔حضرت علی ع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا بھائی وصی اور وارث ہے۔میرے بعد تمہارے اور تمام امت کے دینی ودنیوی معاملات کی نگرانی کرنے والا ہے لہذا ء وہ جو حکم دے اس کی اطاعت کرو۔نافرمانی نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گی۔حضرت علی ع سے فرمایا کہ میں تم سے ان عورتوں کی سفارش کرتا ہوں کہ ان کی نگرانی کرنا اور جب تک یہ تمہاری مطیع رہیں ان کے اخراجات ان کو دیتے رہنا اور ان کو اپنی اطاعت کا حکم

دیتے رہنا۔ان کی جن باتوں پرتم کوشک ہوان سے روکتے رہنااورمنع کرتے رہنا۔
اگرنافرمانی کریں توان کومیری زوجیت سے آزادکردینااورطلاق دیدینا۔
حضرت علی ع نے فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ عورتیں ہیں ان کا کام سست اوررائے کمزور ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک نرمی سے اصلاح ممکن ہو نرمی کرو۔جوبھی ان میں سے تمہاری نافرمانی کرے تواس کوطلاق دیدینا۔ایسا طلاق کہ جس سے اللہ اوراس کارسول ص راضی ہو۔یہ سن کرتمام ازواج ساکت ہوگئیں اور ایک لفظ بھی نہ بولیں مگرام المومنین عائشہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہم ایسی نہیں ہیں کہ آپ کسی بات کاحکم دیں اورہم اس کے خلاف کریں۔حضرت نے فرمایااے حمیرا ایسا نہیں ہے بلکہ تم نے مخالفت کی اور بدترین مخالفت کی۔قسم پروردگار کی جو بات ابھی میں نےتم سے کہی ہےتم اس کی بھی مخالفت کرو گی۔میرے بعدعلی ع کی نافرمانی کروگی اورعلانیہ اورظاہربظاہرگھرسےنکلو گی۔کئی ہزارمرد تمہارے اطراف ہوں گےاورتم علی ع سے سرکشی کروگی اور پروردگارکی گہنگار ہوگی۔جس راستے سے جاؤ گی راستہ کے کتے بھونکیں گےاور یہ وہ امر ہے جوضرورواقع ہوگا۔اس کے بعدحضرت ﷺ نےسب ازواج کو اپنےاپنےگھرجانے کے لئے کہا۔

مدینہ کے حالات:

غدیر کے اعلان کے بعد سے اس وقت تک اہل صحیفہ وعقبہ کے منافقین کے گروہ میں طلقاء (فتح مکہ کے بعدرسول اللہ ص نے ابوسفیان کےگھرانہ کے افراد کومعاف کر دیا تھا۔طلقاء ۔آزاد کئے گے۔کہہ کر) کےعلاوہ ان کےہم فکروعقیدہ افرادشامل

ہو گئے تھے جن کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی (حیوہ القلوب جلد۲ صفحہ ۵۵۹)۔

اعلان غدیر کے بعد رسول اللہ ﷺ کا پہلا قدم حضرت علی ع کی جانشینی کے لئے

مدینہ کے بدلتے حالات سے رسول اللہ ﷺ پوری طرح واقف تھے اور حج سے واپسی کے کچھ ہفتوں بعد رسول اللہ ﷺ اپنے میں بیماری کے آثار دیکھ رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ حضرت علی ع کی جانشینی کا مرحلہ بغیر کسی نزع کے حل ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ مدینہ منافقین اور ان کے ہم عقیدہ افراد سے خالی رہے تا کہ اسلام کی ضرورت اور مسلمانوں کی صحیح رہبری کا اہم مرحلہ بغیر کسی اختلاف کے طے پا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے منافقین کی جماعت کو بلوایا جو اہل صحیفہ وعقبہ تھے ان کے ہمراہ ان چار ہزار مسلمانوں کو بھی طلب کیا جو اس جماعت کے ہم خیال ہو گئے تھے اور اسامہ ابن زید حارثہ کو ان کا سردار بنا کر ان کو شام کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ابھی تو ہم آپ کے ساتھ سفر سے واپس آئے ہیں ازسرنو سامان سفر تیار کرنا پڑے گا لہذا ءہم کو چند روز مدینہ میں قیام کی اجازت دیجئے تا کہ اسباب سفر فراہم کرلیں۔ حضرت ﷺ نے ان کو اجازت دی اور جن چیزوں کی ان کو ضرورت تھی عطا فرمایا۔ اسامہ ابن زید کو حکم دیا کہ وہ ان کو مدینہ کے باہر لیکر جائے اور ایک فرسخ دور قیام کرے۔ اسامہ نے مدینہ کے باہر 'جرف' پر قیام کیا جہاں حضرت ﷺ نے حکم دیا تھا اور انتظار کرنے لگے کہ تمام افراد اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اس مقام پر جمع ہوں۔

اسامہ بن زید کی سرپرستی میں اس جماعت کو بھیجنے سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ

مدینہ ان سے خالی ہو جائے جن کے دل تیڑے ہو گئے ہیں اور جن کے دلوں میں مسلمانوں پر حکومت کرنے ہوس پیدا ہوئی ہے اور جو موقع ملنے پر اللہ و رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سفر میں بڑا اہتمام فرمایا تھا اور ان کو جلد از جلد روانہ ہونے کی ترغیب دیتے رہے۔ اسامہ جو ۱۸ برس کا تھا اس کی سرپرستی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے سن رسیدہ اصحاب کو قرار دیا۔ جناب ابوبکر ُجناب عمر اور عبدالرحمن عوف کے علاوہ تمام اصحاب و مہاجر و انصار قبیلوں کے سرداروں کو اسامہ کے لشکر میں قرار دیا سوائے امیرالمومنین علی علیہ السلام ُبنی ہاشم ُابن عباس ُسعد ابن عبادہُ سلمانُ ابوذر ومقداد کے (ان کو اس لشکر میں شامل نہیں فرمایا)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان افراد پر لعنت کی جنھوں نے اس حکم کی مخالفت کی یا جانے میں دیر کی اور اس حکم سے منہ موڑا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد۲ صفحہ۳۱۔ ملل ونحل شہرستانی مقدمہ چھارم صفحہ۲۹)۔

رسول اللہ ﷺ کے دو بزرگ صحابی جناب ابوبکر و جناب عمر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ کچھ افراد راضی نہیں ہو رہے ہیں کہ کم سن سردار کی سرپرستی میں رہیں لہذا ء کسی اور کا انتخاب فرمائے۔ رسول اللہ ص نے فرمایا اسامہ تم سب پر سرداری کی لیاقت رکھتا ہے وہ لایق سردار ہے (تاریخ طبری جلد۴ صفحہ ۱۷۹۴)۔

آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لاے فرمایا اللہ کی لعنت ہو اس پر جو اسامہ کے لشکر میں جانے سے سرپیچی کرے۔ تم لوگ اس کے باپ زید کے تعلق سے بھی اعتراض

کرتے تھے ۔زید لایق سردار تھا ُاسامہ بھی لایق سردار ہے۔جاؤاورفوراحرکت کرو(تاریخ طبری جلد۴صفحہ۱۷۹۵)۔

رسول اللہ ﷺ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو جو ہمیشہ حضرت ص کے لشکر کے لئے لوگوں کوجمع کرتے تھےاورخباب ابن منذر کوانصار کی جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ ا ن لوگوں کوسختی کے ساتھ اسامہ کےلشکرتک پہنچائیں۔اس حکم کے بعدقیس وخباب نے ان تمام افراد کو مدینہ سے باہر نکالا اور اسامہ کےلشکر میں پہنچادیااور اسامہ سے کہا رسول اللہص نےتم کوحکم دیا ہے کہ اب ذرا بھی توقف نہ کروفورا کوچ کرو اور روانہ ہوجاؤلہذا ءابھی ابھی سامان بارکرو اور کوچ کروتا کہ حضرت ﷺ جان لیں کہ تم روانہ ہو گئے ہو۔یہ سن کر اسامہ نے اسی وقت کوچ کیا۔قیس وخباب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور بیان کیا وہ لوگ روانہ ہو گئے لیکن حضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ نہیں جائیں گے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔قیس وخباب کے واپس آنے کے بعد جناب ابوبکر وجناب عمر وابوعبیدہ اوران کے ساتھیوں کی ایک جماعت نے اسامہ سے کہا کہ مدینہ خالی کر کے کہاں جاتے ہواس وقت توہمیں ہر وقت سے زیادہ مدینہ میں رہنے کی ضرورت ہے۔اسامہ اوران کے ہمراہ افراد نے پوچھا کہ تمہاری اس گفتگو کا مطلب کیا ہے۔ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وقت آخر ہےاگرہم اسوقت مدینہ میں نہ رہیں توممکن ہے کچھ ایسے امور واقع ہوجائیں گےجس کی اصلاح بعد میں نہ ہو سکے۔لہذا ءہم مدینہ میں رہ کرانتظار کریں گےاور دیکھیں گےحضرت ﷺ کا مرض کس حدتک جاتا ہے۔اس کے بعدسفر پر روانہ ہوجائیں

گے ۔ یہ کہکر وہ لوگ پلٹ آئے ۔ اسامہ اور باقی لشکر نے اسی مقام پر قیام کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خریت معلوم کرنے کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔ وہ قاصد چھپ کر ام المو منین عائشہ کے پاس آیا اور حضرت ﷺ کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ جناب ابوبکر و جناب عمر اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ہیں جا کر بتا دو کہ حضرت کی بیماری بڑھ گئی ہے لہذا ء کوئی تم میں سے حرکت نہ کرے میں برابر حضرت ﷺ کی بیماری کی کیفیت کی خبر بھیجتی رہوں گی۔

آنحضرت ﷺ کی بیماری میں اضافہ ہو گیا۔ ام المومنین نے اپنے غلام صہیب کو جناب ابوبکر کے پاس بھیجا کہ حضرت ﷺ کا مرض اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ زندگی کی امید نہیں ہے لہذا ء تم جناب عمر, ابوعبیدہ اور جس کو مناسب سمجھو اپنے ساتھ لے کر جلد سے جلد مدینہ پہنچ جاؤ اور رات کو مخفی طور پر داخل ہونا۔ جب یہ خبر ان لوگوں کو ملی تو صہیب کا ہاتھ پکڑ کر اسامہ کے پاس لے گئے تا کہ اسامہ کو بھی اطلاع ہو جائے ۔ اسامہ نے ان تینوں حضرات کو اجازت دیدی اور تاکید کی کہ رات کے وقت پوشیدہ طور پر مدینہ میں داخل ہوں ۔ اگر حضرت ﷺ خیر و عافیت سے ہوں تو لشکر میں واپس آجاؤ اور اگر وفات ہوگئی ہو تو ہمکو اطلاع دینا تا کہ ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ مدینہ آجائیں ۔ جناب ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ رات کو مدینہ میں داخل ہوئے ۔ حضرت ص کے مرض میں شدت ہوگئی تھی جب کچھ کمی واقع ہوئی تو فرمایا: آج شر عظیم ہمارے شہر میں داخل ہوا ہے ۔ وہاں موجود افراد نے سوال کیا وہ شر کیا ہے ۔ فرمایا کہ وہ جماعت جو لشکر اسامہ کے ساتھ تھی ان میں سے بعض واپس آگئے ہیں اور میرے حکم کی مخالفت کی ہے ۔

آگاہ ہوجاؤ کہ میں اللہ کے نزدیک ان سے بیزار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ برابر یہی فرماتے رہے کہ لشکر اسامہ کو روانہ کرو اور ان لوگوں کو اس کے ہمراہ بھیجو۔ اللہ اس پر لعنت کرے جو لشکر اسامہ سے روگردانی کرے۔ یہ جملہ کئی مرتبہ فرمایا (حیات القلوب جلد۲ صفحہ ۵۶۰)۔

اسامہ بن زید کو سردار لشکر بنانے کی مصلحت:

اسامہ کے لشکر میں مہاجر و انصار کے بہت سے سن رسیدہ افراد رسول اللہ ﷺ نے شامل کئے تھے جن میں بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ ۱۸ سالہ جوان کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے سن رسیدہ اصحاب پر سردار مقرر فرمایا اور اسامہ کے لشکر سے سرپیچی کرنے والوں پر کئی مرتبہ لعنت کی (تاریخ طبری جلد۴ صفحہ ۱۷۹۴)۔ علماء اسلام نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکیمانہ انتخاب میں حسب ذیل حکمتوں کو پایا:

۱۔ آنحضرت ﷺ نے اس انتخاب کے ذریعہ زمانہ جاھلیت کے خرافات کو مٹانا چاہا۔ ظہور اسلام سے قبل جاہلیت کا طرز فکر یہ تھا کہ ہر سن رسیدہ اور ہر گروہ کا سرپرست ہر نوجوان پر مقدم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ۱۸ سالہ اسامہ کو بڑی بڑی عمر کے اصحاب پر سردار بنا کر اس طرز فکر کو باطل قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انتخاب سے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ جب مسلمانوں کی اصلاح کا مقصد منظور ہو تو اس وقت عقل، تدبیر اور علم کو میعار قرار دیا جائے۔ اگر مسلمان اسے سمجھ لیتے تو حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے محروم رکھنے کے لئے ان کے ۳۳ سال کے سن کو کم

سنی کا عنوان نہ دیتے۔

۲۔ دوسری حکمت یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں مسلمانوں پر حکومت کرنے ہوس پیدا ہوئی تھی جو قبیلوں کے سرداروں یا مسلمانوں میں اپنے آپ کو سن رسیدہ اور ممتاز تصور کر رہے تھے ان کو یہ بات سمجھانی چاہی کہ تم اس لشکر کی سرداری کی لیاقت بھی نہیں رکھتے اور تم اسامہ ۱۸ سالہ کی برابری نہیں کر سکتے تو ملت کی ہدایت و رہبری کی ہوس دل سے نکال دو۔ دوسرے مسلمانوں پر بھی واضح ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں لشکر کی سرداری کے لایق بھی نہ سمجھا بلکہ اسامہ کو ان کا سردار قرار دیا تو سارے مسلمانوں کی رہبری و ہدایت کے لئے یہ کیسے موزوں ہوں گے۔

۳۔ تیسری حکمت یہ کہ ان تمام افراد میں سب سے زیادہ جس میں انتقام کا جذبہ تھا وہ اسامہ تھا کیونکہ اسامہ کا باپ اس لشکر سے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ لہذا ء رسول اللہ ﷺ نے سرداری کے لئے اس کا انتخاب فرمایا تھا جس کا انگیزہ عمل سب سے زیادہ اور جو جلد سے جلد لشکر کو مدینہ سے باہر لے جا سکتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ سے فرمایا تھا ''سر الی مقتل ابیک'' تمہارے باپ کے مقتل کی طرف حرکت کرو

۴۔ چوتھی حکمت یہ کہ اگر کسی سن رسیدہ, ممتاز یا کوئی چھوٹا بڑا صحابیت کا مقام رکھنے والے کو لشکر کا سردار بناتے تو وہ اسی انتخاب کو بعد میں رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کی دلیل بنا لیتا چنانچہ جب سقیفہ کے واقعہ کے بعد اسامہ سے کہا گیا تھا کہ آؤ اور خلیفہ ابوبکر کی بیعت کرو تو اسامہ نے کہا تھا رسول اللہ ﷺ نے مجھے تم پر امیر بنایا ہے اور

یہ منصب مجھ سے واپس لیا نہیں گیا ہے لہذ ء میں ابو بکر سے بیعت طلب کرنے کا حق رکھتا ہوں نہ کہ ان کی بیعت کرنے کا۔

جب جناب ابو بکر اور جناب عمر نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ لوگوں کو اسامہ کی کمسنی پر اعتراض ہے تو رسول اللہ ﷺ ان دونوں میں سے کسی سے فرما سکتے تھے کہ میں تم کو سرداری دیتا ہوں جلد از جلد لشکر لیکر روانہ ہو جاؤ (رسول اللہ ﷺ کا مقصد حاصل ہو سکتا تھا کہ مدینہ ان کے وجود سے خالی ہو جائے) ۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا وہ ﷺ ان سے خوب واقف تھے , جانتے تھے کہ وہ نہیں جائیں گے اور بعد میں اسی انتخاب کو اپنی خلافت کی سند بنا لیں گے۔

۵۔ پانچویں حکمت یہ تھی کہ منافقین کے ہوای نفسی کے خوابوں کو خاک میں ملا دیا جائے۔اب جب تک ۱۸ سالہ اسامہ زندہ رہے گا اس وقت تک اس لشکر میں شامل کیا گیا کوئی شخص بھی کوئی پوزیشن جو اسامہ کی پوزیشن سے بڑی ہو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ خود اسامہ کو اس پوسٹ سے ہٹا نہ دیں یا وہ اسامہ کو ہٹائے جسے رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے یہ اختیار دیں۔

۶۔چھٹی حکمت یہ کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ ایسے شخص کو لشکر کی سرداری عطا کریں جو رسول اللہ ﷺ کی غیر موجودگی میں اس سے بیجا فائدہ نہ اٹھا سکے۔

یہ تھیں وہ حکمتیں جس کی بنیاد پر اسامہ کو لشکر کا سردار انتخاب فرمایا تھا (واللہ عالم)۔

رسول اللہ ﷺ کا دوسرا اقدام حضرت علیؑ کی جانشینی کے تعلق سے:

جب اسامہ کے لشکر سے وہ افراد واپس مدینہ لوٹ آے (, جس کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا آج رات شر عظیم ہمارے شہر میں داخل ہوا ہے)جنھیں رسول اللہ ﷺ مدینہ سے باہر بھجوانا چاہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے دوسرا قدم اٹھایا۔

جمعرات کا دن تھا, رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ اصحاب جو اسامہ کے لشکر سے انحراف کر کے مدینہ میں تھے رسول اللہ ﷺ کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے جمع ہوئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **کاغذ وقلم لاؤ میں تحریر لکھ دوں تا کہ میرے بعد لوگ گمراہ نہ ہوں۔**

عمر ابن خطاب نے کہا: ان الرجل لیھجر وعندنا القرآن حسبنا کتاب اللہ۔(یہ شخص ھذیان کہہ رہا ہے۔ہمارے پاس قرآن ہے ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے)۔ وہاں موجود افردیں سے بعض نے اس بیہودہ جملہ کی تائید کی اور بعض نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔ان دو گروہ کی صدائیں بلند ہوگئیں یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے جھگڑا نہ کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔(اس طرح رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی بزم سے نکال دیا اور اس کے بعد انھیں پھر کبھی رسول اللہ ﷺ کی بزم میں آنا نصیب نہ ہوا)۔(کامل ابن اثیر جلد۲ صفحہ۱۲۲۔طبری جلد۲ صفحہ ۴۲۶۔صحیح بخاری جلد۳ باب مرض النبی۔صحیح مسلم جلد۵ صفحہ ۷۶۔ بدایہ ونھایہ جلد۵ صفحہ ۲۲۷۔مسند احمد جلد۳ صفحہ ۲۴۶)۔

اس واقعہ کو پڑھ کر ایک مسلمان کے ذہن میں مختلف سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱۔رسول اللہ ﷺ کیا لکھنا چاہتے تھے؟

۲۔کیوں رسول اللہ ﷺ لکھنے سے منصرف ہو گئے؟

۳۔عمر ابن خطاب اور ان کے ہم خیال افراد کا مقصد اس مخالفت سے کیا تھا؟

۴۔کیا رسول اللہ ﷺ کے حکم کو ھذیان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

۵۔رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟

ان تمام سوالات کے جوابات اہل سنت کی کتابوں سے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ کیا لکھنا چاہتے تھے؟

امام غزالی اور دوسرے علماء نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمائے جملوں سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ اپنے بعد پیش آنے والے مسائل کے تعلق سے راہ حل تحریر کرنا چاہتے تھے۔رسول اللہ ﷺ اپنے بعد مسلمانوں کی ہدایت کے تعلق سے مضطرب تھے۔منافقین کے نقشہ سے واقف اور نتیجہ سے خوف زدہ تھے۔ان وجوہات کی بناء پر چاہتے تھے کہ اس کام کے لئے مناسب وصلاحیت دار شخص کے حق میں وصیت لکھ دیں۔چنانچہ چند ہفتہ قبل غدیر کے مقام پر حضرت علی ع کی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے لہذا اس تحریر میں ان کا نام لکھنا چاہتے تھے تا کہ منافقین کا نقشہ نقش برآب ہو جائے۔

اس بیان کی تائید میں دوسری دلیل جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد۳

میں تحریر کیا ہے, لکھتے ہیں کہ ابن عباس کے سامنے عمر ابن خطاب نے اپنی خلافت کے دور میں اعتراف کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیماری کے زمانے میں علی ابن ابی طالب ع کا نام لکھنا چاہتے تھے مگر میں نے مخالفت کی۔

ایک اور موقع پر عمر ابن خطاب اور ابن عباس سفر کر رہے تھے, جناب عمر نے حضرت علی ع کی شکایت ابن عباس سے کی اور گفتگو اس مقام پر پہنچی کہ ابن عباس نے کہا علی ع اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خلافت ان کے لئے چاہتے تھے۔عمر ابن خطاب نے کہا کہ ابن عباس سچ ہے رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے مگر کیا کیا جائے کہ اللہ نے نہیں چاہا۔(نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد۳۔تاریخ بغداد ابوالفضل احمد ابن ابی طاہر)۔

کیوں رسول اللہ ﷺ وصیت لکھنے سے منصرف ہو گئے:

جب رسول اللہ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا کہ بعض اصحاب اپنے باطل مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کسقدر گر سکتے ہیں کہ وہ اس رسول کو جس کا ظاہری طور پر کلمہ پڑھ رہے ہیں اسکی گفتگو کو ھذیان اور اسے رسول کے بجائے رجل (یہ شخص) کہکر اس کے حضور ایسی گستاخی انجام دے سکتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ جس شخصیت کو امت کی ہدایت کے لئے پہچنوانا چاہتے ہیں اسے یہ کہہ کر کہ رد کر دیا کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب قرآن موجود ہے۔اس صورت میں وصیت لکھنا کار عبث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقوں کی گستاخی سے یہ پیغام حاصل کر لیا تھا کہ ''اگر علی ع کی جانشینی کے لئے زیادہ زور لگاؤ گے تو ہم تمہاری رسالت کا بھی انکار کر دیں گے''۔

چنانچہ ''ان الرجل لیھجر'' غیر مستقیم طور پر رسالت کا انکار تھا۔ ان حالات میں اگر وصیت لکھی جاتی تو اس کی حیثیت و اہمیت کیا ہوتی۔ اختلاف کو ختم کرنے کے بجائے نزاع وفساد کا بازار گرم ہو جاتا۔ تازہ مسلمان جن کی تعداد لاکھوں میں تھی وہ ان داخلی انتشار و فساد سے گھبرا کے اسلام سے پلٹ جاتے اور جھوٹے نبوت کے دعویداروں (آیندہ قریب میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے تعلق سے گفتگو ہوگی) کی پناہ حاصل کرنے کی سوچتے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام کی ۲۳ سالہ زحمتیں برباد ہو جاتیں۔ لہذاء رسول اللہ ﷺ نے مصلحت یہ دیکھی کہ اس تعلق سے خاموشی اختیار کرنا اسلام اور حقیقی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے۔

عمر ابن خطاب اور ان کے ہم خیال افراد کا مقصد کیا تھا:

گذشتہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت علی ع کی خلافت کے تعلق سے تحریر لکھ دیں تا کہ منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں اور عمر ابن خطاب اور ان کا گروہ چاہتا تھا کہ یہ کام انجام نہ پائے۔ عمر ابن خطاب نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدترین گستاخی کرتے ہوئے یہ ظاہر کر دیا کہ اگر علی ع کی خلافت کے لئے اصرار کروگے تو ہم تمہاری نبوت سے بھی انکار کر دیں گے (ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ) ۔ **کچھ دیر کے لئے اس گفتگو, نظریہ اور نتیجہ کو نظر انداز کر کے اس واقعہ کو دوسرے زاویہ سے دیکھتے ہیں۔**

اس حسن ظن کے ساتھ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے میں جناب عمر اور ان کے ہم خیال افراد کا کوئی خاص نظریہ نہ تھا۔

اس صورت میں یہ چند احتمال ذہن میں ابھرتے ہیں:

۱۔ممکن ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا مطلب ہی نہ سمجھا ہو۔

۲۔ممکن ہے انھوں نے یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ ﷺ اسلام کے اہم احکامات میں سے کسی حکم کے تعلق سے لکھنا چاہتے ہیں۔

۳۔ممکن ہے ظاہری حالات سے رسول اللہ ﷺ کے مقصد کو پوری طرح سمجھ کر کہا ہو۔

پہلا احتمال: اگر رسول اللہ ﷺ کے مقصد کو نہ سمجھے تھے تو سکوت اختیار کرتے کیونکہ معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی جب تک کوئی بات پوری طرح سمجھ نہیں لیتا منہ نہیں کھولتا, جناب عمر تو قوم کے عقلاء میں شمار کے جاتے ہیں۔اگر رسول اللہ ﷺ کے مقصد کو نہ سمجھے تھے تو کم از کم اتنا تو عقیدہ رکھتے ہونگے کہ یہ رسول ﷺ بیکار و بیہودہ گفتگو نہیں کرتا کیونکہ قرآن گواہی دیتا ہے کہ ''و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ'' (سورہ نجم آیت ۳ و ۵)۔عمر ابن خطاب کو چاہیے تھا کہ صبر کرتے اور رسول اللہ ﷺ کے عمل کو دیکھتے۔اگر رسول اللہ ﷺ کا عمل ٹھیک بھی نہ ہوتا تو اخلاق کا تقاضا تھا تب بھی ھذیان کی نسبت رسول اللہ ﷺ کو نہ دیتے۔ رسول اللہ ﷺ کے کاغذ و قلم کے تقاضہ کے فوری بعد ھذیان کی نسبت دینا اور قرآن کو کافی کہنا یہ بتاتا ہے کہ جناب عمر جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد کیا تھا اور جناب عمر کو وہ مقصد پسند نہ تھا۔

احتمال دوم: یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ گذشتہ میں کبھی بھی کسی اسلامی حکم یا عمل پر اعتراض و ھذیان جیسی نسبت نہ سنی گئی۔اس بنا پر اس اعتراض کی وجہ صرف احتمال سوم

ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقصد کو پوری طرح جانتے تھے اور اس کے مخالف تھے۔ لہذا ء جب رسول اللہ ﷺ نے کاغذ وقلم مانگا تو یہ بے چین ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کام سے روکنے کے لئے گستاخی کی اور رسول اللہ ﷺ کی فکر کو ھذیان سے نسبت دی۔

مسلمانوں سے میرا سوال ہے کہ ,اگر رسول ص امت کو پریشانی وگمراہی سے بچانے کے لئے کوئی تحریر لکھنا چاہے تو اس رسول ص پر ھذیان کی تہمت لگانے والے کا انجام کیا ہونا چاہئے؟۔ اگر عمر ابن خطاب نے رسول اللہ ﷺ کے اقدام کو ھذیان کہا تھا تو خلیفہ اول کی وصیت کو جو کئی بیہوشیوں کے درمیان جناب عمر کی خلافت کے لئے لکھی گئی تھی کس عنوان سے سند کہکر لوگوں کو دیکھا دیکھا کر بیعت لی گئی۔ اگر رسول اللہ ﷺ حضرت علی علیہ السلام کے حق میں خلافت لکھنا چاہیں تو ھذیان کہیں اور اگر خلیفہ ابوبکر اپنے دوست عمر ابن خطاب کی خلافت کے لئے لکھے تو اسے عقلمندی کہیں۔ افسوس اس مسلمانی پر اور اس عمل پر حضور ﷺ سے شفاعت کی امید بھی رکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالی سے اسکی رضا کی درخواست بھی ہے!

اگر عمر ابن خطاب نے قرآن کو مشکلات کے حل کے لئے کافی جانا تھا تو رسول اللہ ﷺ کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کی مشکل حل کرنے کے وقت قرآن کیوں یاد نہ آیا جبکہ قرآن صاف بیان فرمارہا ہے :انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلاہ ویوءتون الزکوہ و ھم راکعون (سورہ المائدہ آیت ۵۵)۔ترجمہ: تمہارے مالک سرپرست بس یہی ہیں اللہ اور اس کا رسول اور وہ

مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔(یہ آیت باتفاق مفسرین شیعہ ٗسنی ٗموافق ٗمخالف حضرت علی ع کی شان میں نازل ہوئی ہے)۔

عمر ابن خطاب کی گستاخی: افسوس کا مقام ہے ان کی خلافت کے ماننے والے اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ جناب عمر نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں نازیبا جملہ کہہ کر شدید قسم کی گستاخی کی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس جملہ کا ہر لفظ رسول اللہ ﷺ کی شان میں شدید جسارت و گستاخی ہے کیونکہ مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی آنحضرت ﷺ کو رسول اللہ و نبی اللہ کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔عمر ابن خطاب نے اس درجہ بدتمیزی کی کہ آنحضرت ﷺ کے حضور آپ کے روے مبارک کے روبرو لوگوں کی موجودگی میں ''ان الرجل'' (یہ مرد) کہہ کر اہانت شروع کی اور اس کے بعد کا لفظ اس سے بھی زیادہ زہریلا کہا۔عام آدمی کے لئے بھی اس کے سامنے ''یہ مرد'' کا لفظ کہہ کر گفتگو کرنا اس کی شان میں بے احترامی و بدتمیزی ہے چہ جائے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے لئے۔

ھذیان کی نسبت دی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو جبکہ ایک عام آدمی کو بھی ایسی نسبت دینا بڑی گستاخی ہے۔اور یہ سب اس حال میں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات کے آخری ایام تھے جبکہ شریف افراد اس قسم کے الفاظ کسی قوم وقبیلہ کے سرشناس افراد کے لئے بھی ایسے موقع پر استعمال نہیں کرتے۔افسوس صد افسوس عمر ابن خطاب کے جرم کو نہ ماننے یا کم کر کے پیش کرنے والوں پر۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ گروہ آپس میں یہ طے کر کے اور تیاری کے ساتھ آیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ حضرت علی ع کی جانشینی وخلافت کے تعلق سے کوئی تذکرہ یا کوئی اور قدم اٹھانا چاہیں تو شور و غل کر کے اسے ہونے نہ دیں۔(طرحہای رسالت جلد ا صفحہ ۱۱۱)۔

کسے قبول کریں اور کس کو رد کریں؟۔

مختصر یہ کہ بنا برنوشتہ مصری رائیٹر ڈاکٹر حسین ھیکل (کتاب حیات محمدص صفحہ ۲۸۵)۔ نھج الباغہ ابن ابی الحدید و کامل ابن اثیر ''عمر نے کہا: ان کی تحریر کی ضرورت نہیں ہے بخار کی شدت نے ان کے افکار کو پریشان کیا ہوا ہے وہ ھذیان کہہ رہے ہیں'' یہ پست وگندی گفتگو کر کے روح رسالت کو تڑپانے کے علاوہ ,اپنے زہریلے خیالات کو بھی ظاہر کر دیا اور اس طرح اپنا عقیدہ وایمان نبوت کے تعلق سے پیش کر دیا۔

مسلمانوں ایک فیصلہ تمہیں بھی کرنا ہے: ایک طرف قرآن کا ارشاد ہے ''و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ'' (سورہ نجم آیت ۳و۵) اور دوسری طرف عمر ابن خطاب کا کہنا: ''ان الرجل لیھجر'' (کامل ابن اثیر ج ۲ ص۱۲۲۔ طبری ج ۲ ص ۴۲۶۔ صحیح بخاری ج ۳ باب مرض النبی۔ صحیح مسلم ج ۵ ص ۷۶۔ بدایہ ونھایہ ج ۵ ص ۲۲۷۔ مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۶)۔ کسے قبول کریں اور کس کو رد کریں؟

حسبنا کتاب اللہ کا مطلب:

علمای اسلام کا نظریہ ہے کہ عمر ابن خطاب کا یہ جملہ عندنا القرآن حسبنا کتاب اللہ, اس سے پہلے کے جملے ''ان الرجل لیھجر'' سے زیادہ خطرناک ہے۔ اسلئے کہ اسلامی

تعلیمات وقانون کا سرچشمہ قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور قرآن اس پر گواہ ہے :فان تنازعتم فی شی فردوہ الی اللہ و الرسول (سورہ النساء آیت ۵۹)۔(اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو اس امر میں اللہ اور رسول ص کی طرف رجوع کرو)۔

امیر المومنین ع نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ کی طرف رجوع کے معنی ہیں کتاب اللہ پر عمل کرنا اور رسول اللہ ص سے رجوع سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہے۔اس کے بعد فرمایا: اگر حقیقی معنی میں اللہ کی کتاب پر عمل کریں تو ہم بہترین مخلوق ہیں اور اگر پوری طرح سنت رسول ص پر عمل کریں تو ہم رسول اللہ ﷺ کی نسبت سب سے قریب اور سب سے برتر رہیں گے۔

سنت رسول اللہ ﷺ کی اہمیت :

قرآن میں عام و خاص , مطلق و مفید , ناسخ و منسوخ , محکم و متشابہ آیتیں موجود ہیں۔ان سب کا معلوم کرنا اور انھیں سمجھنا دانشمند و اسکالر کے لئے بھی مشکل ہے تو عام افراد کیسے سمجھ سکیں گے؟

قرآن کو سمجھنے کے لئے ہمیں سنت کی ضرورت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ مبلغ ہیں اور ان کی سنت قرآن کے اسرار کو بیان کرتی ہے۔ قرآن کے اسرار کو اللہ اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔معصوم اماموں سے جو ارشادات ملے ہیں وہ بھی سنت میں داخل ہے کیونکہ یہ شخصیتیں رسول اللہ ﷺ سے جدا نہیں ہیں۔ قرآن اسلام کا اصلی قانون ہے۔اس میں قوانین بیان کے گئے ہیں اور اس کی توضیح و